جدید میڈیکل سائنس سے پیدا شدہ مسائل :

طبی ضروریات کے لئے انتقالِ خون کا فقہی جائزہ

مفتی عظمت اللہ بنوی

مدرس ورفیق دارالا فتاء

جامعہ المرکز الا سلامی پاکستان بنوں

نمبرشمار:	ذیلی عنوانات	نمبرشمار:	ذیلی عنوانات
۱۔	غیرانسانی ناپاک اشیاء کا حکم۔	۷۔	انسانی خون کی خرید وفروخت۔
۲۔	حالت اضطرار کا مصداق۔	۸۔	انسانی خون کے اسٹاک کے لئے بینک بنانا۔
۳۔	انسانی خون کے منتقلی کا حکم	۹۔	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق
۴۔	مسلم اور غیر مسلم کا خون ایک دوسرے میں منتقل کرنے کا حکم	۱۰۔	مرد، عورت کا خون ایک دوسرے میں منتقل کرنے سے نکاح کا حکم۔
۵۔	ضرورۃ کسے کہتے ہیں؟۔	۱۱۔	انتقال خون سے وضوء ٹوٹنے کا حکم
۶۔	شدید مشقت بھی رخصت کا سبب بن جاتی ہے۔	۱۲۔	مراجع ومصادر۔

بعد الحمد لا هله والصلوة لا هلها

تمہید:

ترقی پذیر دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی نے اہل علم وتحقیق کے سامنے جہاں اور کافی حیران کن مسائل کھڑے کئے وہاں طبی ترقیات اور جدید نئے تجربات کے رواں دواں قافلے نے بھی اہل علم وتحقیق پر مشکل مسائل کے پہاڑ انبار کر دیئے جو آج سے پہلے علمائے پیشین کے خواب وخیال میں نہ تھے۔ چنانچہ موجودہ طبی ترقیات اور تجربات کے نتیجے میں انتقالِ خون کا مسئلہ بھی ہے۔ کہ آج کل بہت سے کمزور مریضوں کا علاج اس طرح سے کیا جاتا ہے۔ کہ کسی انسان یا حیوان کا خون جدید الیکٹرانک مشینوں کے ذریعہ محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر اسے انہی مشینون کے ذریعے مریض کے بدن میں چڑھایا جاتا ہے۔ الغرض طبی ضروریات کے لئے خون استعمال کرنے کے مختلف پہلوؤں پر ایک مفید شرعی تبصرہ کیا جاتا ہے۔ جس میں اولاً احناف کی اصولی بحث عنوانات کے ذیل میں پیش خدمت ہے۔

(۱) غیرانسانی ناپاک اشیاء سے علاج کا حکم:

خون اور دیگر اشیاء محرمہ کا علاج کے لئے استعمال کرنا اگرچہ فقہاء احناف کے یہاں مختلف فیہ رہا ہے۔ لیکن متأخرین نے مخصوص حالات میں ضرورت کے مواقع پر چند شرطوں کے ساتھ جواز کا فتوی دیا ہے۔ یعنی اس وقت جب کہ حرام شئی کے علاوہ کسی ایسی حلال دوا کا علم نہ ہو (یا وہ میسّر وموجود نہ ہو) کہ جس سے مرض زائل ہو جائے اور حرام شئی کے استعمال سے شفاء کے حصول کا عادۃً یقین

ہو۔جیسا کہ کتب فقہ سے مستفاد ہوتا ہے۔مثلاً فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے۔

" اختلف التداوی بالمحرم ...... وقیل یرخص اذا علم فیه الشفاء ولم یعلم دواء آخر کما رخص الخمر للعطشان وعلیه الفتوی".

اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہے۔

"یحصل بها غلبة الظن دون الیقین الا ان یریدوا بالعلم غلبة الظن وهو شائع فی کلامهم".(جلد ۱ ص ۱۴۰)

اورضرورت کی وجہ سے دوائے حرام کی اجازت بعض غیر حنفی علماء سے بھی منقول ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے(**نیل الاوطار للعلامه الشوکانی (ج ۱ ص ۶۰) والمحلی لابن حزم.**)

(اورعلامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کی عبارت کا مفہوم وہی ہے۔جواوپر مسئلہ کے تحت بیان ہوا) لیکن بعض معتبر فقہی کتابوں میں دوائے حرام کے استعمال کا جواز طبیب حاذق مسلم کی اجازت پر موقوف رکھا گیا ہے۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں اس کی وضاحت ملتی ہے۔

"یجوز للعلیل شرب الدم والبول وأکل المیتة التداوی اذا أخبره طبیب مسلم أن شفاءه فیه ولم یجد من المباح ما یقام مقامه"(ج ۵ ص ۳۵۵)

اورعلامہ **محمد کامل بن مصطفیٰ الطرابلسی الحنفی** فرماتے ہیں۔

"قال فی التهذیب . یجوز لعلیل شرب البول والدم والمیتة للتداوی اذا اخبره طبیب مسلم ان شفائه فیه ولم یجد من المباح ما یقوم مقامه"(الفتاوی الکاملیه ج ۱ ص ۲۶۷ کتاب الکراهیة)

لیکن احقر جہاں تک اپنے محدود مطالعہ کی بناء پر سمجھ سکا ہے۔فقہائے کرام کے یہاں عموماً دوائے حرام کے استعمال کے جواز کے لئے "طبیب مسلم حاذق" کے مشورہ وحکم کی قید جو بیان ہوئی ہے۔وہ قید احترازی نہیں ہے۔یعنی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر مسلم طبیب بروقت نہ ملے اور کسی دوسرے معتبر ذریعہ سے دوائے حرام کے نافع ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو جائے تب بھی مسلم کے انتظار میں وہ دوانہ استعمال کی جائے چاہے مریض کی موت واقع ہو جائے۔بلکہ اس قید کا حاصل یہ ہے۔کہ یہ جان لینا اور اطمینان کر لینا پہلے ضروری ہے کہ حقیقۃً اس وقت دوائے حرام ہی واحد میسر ذریعہ ہے۔

جو مریض کی جان بچانے یا اس کے کسی عضو کے تلف ہونے سے روکنے کا ہے۔ورنہ اسے شدید ضرر پہنچے گا بلکہ ہلاک ہو جائے گا۔

اس اطمینان کے بغیر دوائے حرام کا استعمال ممنوع ہوگا۔

اس خیال کی فی الجملہ تائید مشہور فقیہ علامہ ابن نجیم مصری اور علامہ ابن عابدین شامی وغیرہ کے کلام کو مجموعی طور پر سامنے رکھنے سے ہوتی ہے۔جو کہ ان حضرات نے متفرق جگہ اس موضوع پر کیا ہے۔مثلاً یہ کہ اگر کسی کے حلق میں لقمہ پھنس جائے اور شراب کے علاوہ اور کوئی چیز

اسے اتارنے کی نہ ہوتو بغیر کسی طبیب یا کسی تجربہ کار سے مشورہ کئے بھی شراب پینے کی اجازت ہے۔اور علاوہ ازیں الاشباہ والنظائر میں اصول بیان ہے۔ "الضرورة تقدر بقدر ها" (صفحہ ۲۲) یعنی یہ اجازت صرف اس حد تک ہے۔کہ جس سے حلق میں پھنسا ہوالقمہ نیچے اتر جائے اوردم گھٹنے کی وجہ سے جو ہلاکت کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا وہ ٹل جائے اس سے زیادہ مقدار پینے کی اجازت نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص شدید پیاس میں مبتلاء ہے اور خطرہ ہے کہ اگر کوئی سیال چیز حلق میں نہ پہنچائی گئی تو جان چلی جائے گی۔ایسی صورت میں بھی بغیر کسی کے مشورہ وحکم شراب استعمال کر کے جان بچا سکتا ہے۔(شامی ج ۵ ص ۲۱۵،۲۸۹)

کیونکہ ان حالتوں میں شراب کا، جان بچانے کے لئے یقینی یا ظنی طور پر کارآمد ہونا اسباب کے درجہ میں طبیب کے بتائے بغیر بھی ہر تجربہ کار، بلکہ ہر ذی شعور جانتا ہے یا جان سکتا ہے۔علاوہ بریں یہ کہ متعدد کتب فقہ میں دوائے حرام کی اجازت صرف '' اذا علـم فيـه الشـفـاء '' (یعنی جب کہ اس میں شفاء کا یقین ہو) اور جان بچانے کی اور کوئی راستہ بھی نہ ہو تو اس وقت طبیب حاذق مسلم کی قید کی ضرورت نہیں جیسا کہ شامی کی بالا عبارت سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔یہ امر بھی اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے۔کہ طبیب مسلم کی قید اتفاقی ہے۔یا پھر ایسے مواقع کے لئے ہے۔جہاں اس کے بتائے بغیر دوائے محرم کی تاثیر شفاء کا پتہ نہ چل سکتا ہو۔

چنانچہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ''الطریق الحکمیہ'' میں مالکیہ کا یہ مسلک نقل کیا ہے۔ "وهـم يـجيـزون شهادة طبيبين كافرين حيث لا يوجد طبيب مسلم". (الطريق الحكميه ص ۱۷۷ مكتبة النهضة الحديثه)

اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے۔کہ جن مواقع پر طبیب مسلم کی ضرورت ہو اور مسلم طبیب نہ مل سکے تو وہاں دو غیر مسلم طبیبوں کی بات (مالکیہ کے نزدیک) ضرورۃً حجت ہوگی (بمشورہ جماعت علماء) مالکیہ کا مسلک اختیار کیا جا سکتا ہے

بلکہ مشہور فقیہ حنفی علامہ طحطاوی نے تو بلخ کی جماعتِ فقہاء کا یہ قول نقل کیا ہے۔کہ شراب کا دواء استعمال صرف طبیب کے مشورہ دینے ہی سے جائز نہیں ہو جائے گا۔جب تک خود مریض کو بھی غور فکر کے بعد یہ اندازہ نہ ہو جائے گا۔کہ وہ شراب پینے سے یقیناً ٹھیک ہو جائے گا۔ چنانچہ (حاشية الطحطاوى على الدر المختار) میں ہے۔

''ولـو أن مريضاً أشار اليه الطبيب بشرب الخمر روى عن جماعة من ائمة بلخ انه ينظر انه ان كان يعلم يقينا انه يصح حل التناول''. (۱۹۵/۴)

اگر کسی مریض کو کسی طبیب نے شراب پینے کا مشورہ دیا تو ائمہ بلخ کی ایک جماعت کہتی ہے۔کہ وہ صرف طبیب کے کہنے پر عمل نہ کرے بلکہ اپنے طور پر اندازہ لگائے پھر اگر خود اس نتیجہ پر پہنچے کہ شراب سے یقیناً وہ تندرست ہو جائے گا۔تب تو استعمال جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

ایک اور مصلحت بھی ''طبیب مسلم'' کی قید میں غالباً فقہائے کرام کے پیش نظر رہی ہے۔وہ یہ کہ ایک سچا مسلم (متدین) طبیب اضطراری حالت کا فیصلہ کرتے وقت شریعت کے احترام اور مسؤلیت عنداللہ کے احساس کی بناء پر ذمہ داری کا زیادہ ثبوت دے گا۔

اور اس میں جلد بازی نہیں کرے گا۔(خاص طور پر وہ طبیب کہ جسے شرعی مسئلہ بھی معلوم ہو سکے گا۔وہ ٹھیک اسی وقت دوائے حرام کا مشورہ

دے گا جب واقعتہً اضطراری کیفیت پیدا ہو چکی ہو گی۔ اس سے پہلے نہیں دے گا کیونکہ وہ جانتا ہو گا کہ اضطرار کی حالت سے قبل حرام شئی کے استعمال کا شرعاً اجازت نہیں۔ برخلاف غیر مسلم طبیب کے کہ وہ محض سہولت یا جلد صحت ہو جانے کے خیال سے ہلاکت کے خوف کے بغیر بھی اشیاء محرمہ کے استعمال کا مشورہ دے سکتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ غیر مسلم یا غیر متدین طبیب یا ڈاکٹر کے ایسا مشورہ دینے کے بعد مریض یا اس کے تیمارداروں کی یہ ذمہ داری ہے۔ کہ وہ اپنے طور پر بھی اس کا اطمینان کر لیں کسی بھی قابل اعتماد طریقہ سے کہ مریض کی یہ حالت واقعی اضطرار کی (یا کم سے کم شدید حاجت کی) حالت ہے۔

اور اس حرام دوا کے علاوہ کوئی حلال دوا اب کارآمد نہ ہو گی۔ (یا دستیاب نہیں ہے) بغیر ایسا اطمینان حاصل کئے ہوئے دوائے حرام کا استعمال درست نہ ہو گا۔ اس جیسے موقع پر غلبۂ ظن ہی کافی ہے۔ اور وہی اصل ہے۔ اس کی تائید علامہ کاسانی کے اس کلام سے بھی ہوتی ہے۔ جو انہوں نے بدائع الصنائع (کتاب الاکراہ) میں ''تحقق الضرورة'' کے تحت کیا ہے۔ یعنی '' انّ العبرة لغالب الرأی واکثر الظن ''. (۱۷۶/۷)

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ دوائے محرم کا استعمال صرف اس حالت میں جائز ہے۔ جب یہ یقین (یا غلبۂ ظن) حاصل ہو جائے کہ اس دوا کے بغیر زندگی نہیں بچ سکتی۔ نیز اس حرام شیئی سے زندگی کا بچنا عادۃً یقینی ہے۔ یہ یقین خواہ طبیب مسلم کے بتانے سے حاصل ہوا ہو یا وہ کسی قابل اعتماد ذریعہ سے دونوں شکلوں میں حکم یکساں ہو گا۔ (بحوالہ کتاب جدید مسائل کا شرعی حل مؤلف مولانا برھان الدین سنبھلی ص ۲۴۳ تا ۲۵۳)

(۲) حالت اضطرار کا مصداق:

جمہور علماء فرماتے ہیں۔ کہ اضطرار ایسی حالت کو کہتے ہیں۔ جس میں بھوک ہلاکت یا مرض شدت کی حد تک پہنچ جائے۔ قرآن کریم نے بھی محرمات کے استعمال کی اجازت انہیں حالات میں دی ہے۔ جہاں جان کا خطرہ یقینی ہو۔ جس صورت میں ہلاکت جان کا خطرہ غیر یقینی یا موہوم ہو وہ حالت اضطرار نہیں مثلاً ایک شخص کو قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ اور ارادہ بھی کر لیتا ہے۔ مگر صرف اتنی بات سے یہ شخص مضطر نہیں کہلائے گا۔ جب تک حالات واسباب قتل ایسے نہ جمع ہو جائے جن سے بچنا ممکن نہ ہو خلاصہ یہ ہے۔ کہ کسی حرام چیز کا حلال ہونا تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ اوّل یہ کہ ''حالت'' اضطرار کی ہو دوسرے یہ کہ وہ خطرہ موہوم نہ ہو بلکہ کسی معتمد حکیم یا ڈاکٹر کے کہنے کی بناء پر عادتاً یقینی جیسا ہو۔ تیسرے یہ کہ اس حرام کے استعمال سے جان بچ جانا بھی کسی معتمد حکیم طبیب یا ڈاکٹر کی تجویز کے مطابق عادۃً یقینی ہو۔ چنانچہ احکام القرآن کی عبارت سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔

''ذهب الجمهور الی انها الحالة التی یصل به الجوع الی حدا لهلاک ، او الیٰ مرض یفضی الیه الخ''.

(احکام القرآن للعلامة ظفر احمد عثمانی ج ۱۲۶/۱)

اور کبیری شرح منیۃ المصلی میں ہے:

''ویعرف ذلک امّا بغلبة الظن عن امارة او تجربة او باخبار طبیب حاذق مسلم غیر ظاهر الفسق وقیل عدالته شرط

اذا خاف بغلبة ظنه عن التجربة الصحیحة ان اغتسل یقتله البرد او یمرضه". (کبیری شرح منیة المصلی)

(۳) انسانی خون کے منتقلی کا حکم:

یہ تمام گفتگو غیر انسانی خون، اشیاء کے بارے میں تھی۔ اب رہا انسانی خون یا اس کے اجزاء کے استعمال کا حکم تو اس کے لئے مزید بحث و تحقیق کی ضرورت ہوگی۔ (جو آئندہ سطروں میں پیش کی جارہی ہے۔)

انسانی خون یا اجزاء کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اہل علم کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ تمام انسانی اجزاء کے استعمال کا حکم خواہ انسان مسلم ہو یا غیر مسلم دوسری سب چیزوں کے احکام سے مختلف ہے۔ یعنی احترام انسانیت کی وجہ سے عام حالات میں انسان کے تمام اجزاء کا استعمال شرعاً ممنوع ہے۔ اسی بنیاد پر فقہاء نے انسانی جسم کے پاک اجزاء کا بھی (حتیٰ کہ باندی کے دودھ کا بھی) استعمال اور ان کی خرید و فروخت کو ناجائز بتایا ہے، فقیہ ابن ہمام جیسے محقق فرماتے ہیں:

لا یجوز بیعه .....اذا استغنی عن الرضاع، لا یجوز شربه ، والا نتفاع به یحرم. (۷) فتح القدیر، ۲/۲۰۱ مطبوعہ مصر، اور ردالمحتار میں ہے۔ "**والا دمی مکرم شرعاً وان کان کافرا فایراد العقد علیه وابتذاله اذلال له ولذا لا یملک بیع لبن امته.** (۱۰۵/۴)

(یعنی جب بچہ کا کام انسانی دودھ کے بغیر چل سکتا ہو تو (یعنی مدت رضاعت کے بعد) بچہ کے لئے بھی انسانی دودھ کا پینا جائز نہیں اور اس دودھ سے کسی اور طرح کا نفع اٹھانا بھی حرام ہے۔ اور اس کی بیع بھی جائز نہیں)

جب پاک اجزائے انسانی کا یہ حکم بتایا گیا ہے۔ تو وہ اجزاء جو ناپاک ہیں۔ (مثلاً خون) ان کے استعمال سے تو اور بھی زیادہ سختی کے ساتھ روکا جانا چاہئے۔ پھر بظاہر اس کا نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ کسی بھی حالت میں انسانی خون کے استعمال کی اجازت نہ ہو، لیکن چونکہ فقہائے متاخرین نے انسانی دودھ کے دواء کے طور پر استعمال کی اجازت دیدی ہے۔ (دلیل آگے آرہی ہے۔) اس پر قیاس کرتے ہوئے عصر حاضر کے اکثر ممتاز علماء نے مثلاً مشہور فقیہ و محقق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع (سابق مفتی اعظم پاکستان) نے بحالت اضطرار صرف مریض کی جان بچانے کی غرض سے کچھ شرطوں کے ساتھ جن میں دو اہم شرطیں یہ ہیں۔ کہ (۱) اس سے خون دینے والے کی جان یا صحت کو خطرہ پیش نہ آئے (۲) اور اس سے انسانی خون کی ارزانی (بیع و شراء کا دروازہ کھل جانے کا) اندیشہ بھی نہ ہو۔ انسانی خون مریض کے بدن میں منتقل کرنے کو بھی جائز بتایا ہے۔ مسئلہ چونکہ اہم اور تفصیل طلب ہے، اس لئے یہاں مفتی صاحب کی عبارت کا ایک طویل اقتباس نقل کیا جارہا ہے۔ اور آخر میں حضرت مفتی صاحب کا اصل مضمون جو آلات جدیدہ نامی کتاب میں تفصیلاً مذکور ہے۔ اس کو بھی افادہ عام کے لئے ملحق کیا گیا ہے۔ تا کہ قارئین بخوب استفادہ کر سکیں۔

"خون اگر چہ اجزاء انسانی ہے۔ مگر اس کو کسی دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کے لئے اعضاء انسانی میں کانٹ چھانٹ اور آپریشن کی ضرورت نہیں پیش آتی" انجکشن کے ذریعہ خون نکالا جاتا ہے۔ اور دوسرے کے بدن میں ڈالا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی مثال

دودھ کی سی ہوگئی، جو بدن انسانی سے بغیر کانٹ چھانٹ کے نکلتا اور دوسرے انسان کا جزو بنتا ہے بوجہ ضرورت اس کے استعمال کی اجازت بچوں کے لئے دی گئی ہے۔اور علاج کے طور پر بڑوں کے لئے بھی ہے۔جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔"ولا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأة ویشربه للدواء". (عالمگیری، ۳۵۵/۵ طبع ثانی با لمطبعة الکبری الامیریه ببو لاق مصر ۱۳۱۰ھ).

اگر خون دودھ پر قیاس کیا جائے تو کچھ بعید از قیاس نہیں، کیونکہ جزء انسانی ہونے میں مشترک ہے۔فرق صرف یہ ہے۔کہ دودھ پاک ہے۔اور خون ناپاک ،تو حرمت کی پہلی وجہ یعنی جزء انسانی ہونا تو یہاں وجہ ممانعت (ضرورۃً برہان) نہ رہی۔صرف نجاست کا معاملہ رہ گیا،علاج ودواء کے معاملے میں بعض فقہاء نے خون کے استعمال کی بھی اجازت دی ہے،اس لئے انسانی خون دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کا شرعی حکم یہ معلوم ہوتا ہے۔کہ عام حالات میں تو جائز نہیں مگر علاج ودواء کے طور پر اس کا استعمال اضطراری حالت میں بلاشبہ جائز ہے۔اضطراری حالت سے مراد یہ ہے۔کہ مریض کی جان کا خطرہ ہو اور کوئی دوسری دوا اس کی جان بچانے کے لئے مؤثر یا موجود نہ ہو اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو. (معارف القران، ۴۱۹/۱، ۴۲۰ مطبوعه دیو بند).

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے۔کہ جن احادیث وآثار میں حرام سے شفاء نہ ہونے کی خبر دی گئی ہے۔(مثلاً شراب کو حدیث میں دواء کے بجائے داء (بیماری) بتایا گیا ہے۔)اس میں اور فقہاء کے اس فیصلہ کے درمیان بظاہر تضاد اور تخالف نظر آتا ہے۔مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے علماء امت کو کہ انہوں نے اس کا حل بھی بتادیا اور تضاد رفع کر دیا ہے۔اس بارے میں سب سے زیادہ سیر حاصل بحث علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی کی احقر کے مطالعہ میں آئی اس کے بعض ضروری حصوں کو پیش کر دینا شاید مناسب ہوگا۔

"والتداوی بمنزلة"ضرورة" وقد قال اللّٰہ تعالیٰ وقد فصل لکم ما حرم علیکم اِلا ما اضطرر تم اِلیه فما اضطر المرء اِلیه فهو غیر محرم علیه من الما کل والمشر ب وما روی عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ان اللّٰہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم"لو صح لم یکن فیه حجة لأن فیه الخمر لیست دواء فلا خلاف بیننا فی أن ما لیس دواءً فلا یحل تناوله اِذا کا ن حراما وما أباحه اللّٰہ تعالیٰ عند الضرورة فلیس فی تلک الحال خبیثا لأن الحلال لیس خبیثاً وقد جاء الیقین با باحة المیتة والخنزیر عند خوف الیقین من الجوع فقد جعل تعالیٰ شفاءنا من الجوع الهلاک فیما حرم علینا فی غیر تلک الحال .....فاذا اضطرر نا اِلیه فلم یحرم علینا حینئذ بل هو حلال فهو لنا حینئذ شفاء.(المحلی، ۲۳۱/۱، ۲۳۴ .الناشر مکتبه الجمهوریه العربیه ، بمصر ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء)

خلاصہ مفہوم یہ ہے:

کہ جن روایات میں حرام شئی سے شفاء نہ ملنے کا ذکر ہے۔اس کا مطلب یہ ہے۔کہ جب تک شئی حرام ہے۔شفاء نہ ہوگی۔لیکن جب وہ ضرورۃً حلال ہوگئی تو شفاء ہوگی، کیونکہ اب وہ خبیث یا حرام نہیں رہی، نیز یہ کہ ان روایات میں سے بعض پر کلام کی گنجائش بھی ہے۔اس عبارت کی کچھ باتیں آگے آرہی ہیں۔مذکورہ بالا عبارت سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔کہ فقہاء نے اشیاء محرم کی دواء استعمال کی بعض

اجازت قرآن مجید کی ان آیات کی بنیاد پر دی ہے، جن میں اشیاء کے استعمال کی مضطر کے لئے اجازت دی گئی ہے۔

(صحیح مسلم، ۲/۵۷. صحیح بخاری ۲/۲۰۲. سورة البقرة آیت نمبر ۱۷۳ و المائد ۳ بحواله انعام کی آیت نمبر ۱۱۸ کی روسے هے)۔

اس طور پر کہ ان آیات کے اندر بھوک سے موت کا یقینی خطرہ پیدا ہو جانے کی حالت میں جان بچانے کے لئے میتۃ (مردار) خنزیز، خون وغیرہ حرام اشیاء کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ تو بیماری کی وجہ سے جان ختم ہو جانے کا یقینی خطرہ پیدا ہو جانے کی حالت میں کسی حرام چیز کے بطور دواء استعمال کرنے کا جواز بھی دلالۃً ثابت ہوتا ہے۔ نیز بعض فقہاء نے حدیث عرنیین یعنی قبیلہ عرینہ کے کچھ بیمار لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے دودھ اور پیشاب پینے کا مشورہ دیا تھا''۔ سے بھی تداوی بالمحرم کا جواز اخذ کیا ہے۔ (چنانچہ ان فقہاء کے نزدیک حالت اضطرار کے بغیر بھی دوائے حرام کے استعمال کی اجازت ہے) (بحواله بالا)

(۴) مسلم اور غیر مسلم کا خون ایک دوسرے میں منتقل کرنے کا حکم:

ان تفصیلات کا حاصل یہ ہوا کہ حالت اضطرار میں یعنی جب کہ کوئی حلال دوا مؤثر نہ ہو یا میسر نہ ہو تو صرف جان بچانے کے لئے حرام شئی (بشمول انسانی خون) کی صرف اتنی مقدار کا دواء استعمال کرنا جائز ہے۔ جس سے عادۃً جان کا بچنا یقینی ہو۔ (لأن ما أبیح للضرورة یتقدر بقدرها. کذا في الاشباه والنظائر. صفحه ۱۲۲) ظاہر ہے۔ کہ اصولاً مسلم اور غیر مسلم دونوں کے خون کا حکم یکساں ہے۔ لیکن یہ الگ بات ہے۔ کہ کسی دیندار شخص کے جسم میں بے دین کا خون داخل کر دینے کہ نتیجہ میں غلط اثرات مرتب ہونے کا خطرہ ہو۔ اور مسلمان کا خون غیر مسلم کے جسم میں منتقل کرنے کے نتیجہ میں اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہاں تک بعض دفعہ وہ مسلمان بھی ہو جاتا ہے۔ (جیسا کہ بعض واقعات سننے میں آئے ہیں) تو پھر پہلی صورت میں اور دوسری صورت میں پسندیدہ اور مستحسن قرار دیا جانا ہی شریعت کا تقاضا ہوگا اسے ناپسندیدہ قرار دیا جانا ہی شریعت کا تقاضا ہوگا۔ اضطرار کی حالت اور حرام شئی میں شفاء کے منحصر ہونے کا علم خواہ طبیب مسلم کے بتانے سے ہو یا غیر مسلم طبیب وڈاکٹر کے کہنے سے یا ایسے ہی کسی اور قابل اعتماد ذریعہ سے جو مفید علم یقینی ہو، یا موجب ظن قوی، اس صورت میں خون کا استعمال جائز ہوگا۔

(۵) ضرورة کسے کہتے ہیں؟:

اوپر ''ضرورة'' و''اضطرار'' کا لفظ بار بار آیا ہے۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ یہاں اس کی تشریح پیش کردی جائے، فقہاء کے نزدیک حقیقی ''ضرورة'' (جس سے اضطرار ماخوذ ہے۔) وہ آخری درجہ ہے۔ کہ جس کے بغیر انسانی زندگی ختم ہو جائے، یا کم سے کم کسی عضو کے تلف ہو جانے کا یقین پیدا ہو جائے، صرف اسی درجہ کے پائے جانے کی صورت میں وہ حرام اشیاء ''حلال'' اور وہ بعض ناجائز کام جائز ہو جاتے ہیں۔ جن کے ذریعہ زندگی ختم ہونے سے بچائی جا سکتی ہے۔ لیکن عبادات کے ترک یا ان میں تخفیف، یا ان کا بدل مشروع ہو جانے کے لئے اس سے کم درجہ بھی (جسے فقہاء کی اصطلاح میں ''حاجت'' کہا جاتا ہے۔) کافی سمجھا گیا ہے۔ جیسا کہ مشہور

ممتاز حنفی فقیہ علامہ سید احمد بن محمد الحموی اپنے شہرہ آفاق (الاشباہ والنظائر پر تحریر کردہ) حاشیہ میں نقل فرماتے ہیں۔

(اور ''ضرورہ'' کی یہی تعریف محقق امام ابوبکر جصاص رازی کے کلام سے بھی مستفاد ہوتی ہے، موصوف نے آیت '' فمن اضطر ،الخ'' کے تحت ذکر فرمایا ہے۔ ''الضرورہ ھی خوف الضرر بترک الا کل اما علی نفسه او علی عضو من اعضاء (تفسیر احکام القرآن لا بی بکر جصاص ،۱/۱۳۰.)

حاشیہ حموی علی الاشباہ والنظائر لابن النجیم ص ۱۲۲ مطبوعہ تعیمیہ ۱۲۶۰ھ۔ ''ھٰھنا خمسة مراتب ، ضرورة وحاجة، ومنفعة وزينة وفضول. فالضرورة بلوغه حداً إن لم يتناول الممنوع هلك أو قارب وهٰذا يبيح تناول الحرام . والحاجة كاالجائع الذى لولم يجد ما يا كله لم يهلك غير أنه يكون فى جهد ومشقة وهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر فى الصوم......الخ.(حاشیه حموی علی الا شباه والنظائر ''(لا بن نجيم صفحه ۱۲۲ مطبوعه تعليميه ١٢٦٥ء)

یہی عبارت علامہ سیوطی کی ''الاشباہ والنظائر میں بھی ملتی ہے۔ جو ''قال بعضهم'' کے بعد ذکر کی گئی ہے۔ (دیکھئے صفحہ ۹۴)

یہاں پانچ درجے ہیں۔ (۱) ضرورۃ (۲) حاجۃ (۳) منفعت (۴) زینت (۵) فضول۔

''ضرورۃ'' اس درجہ کا نام ہے کہ اگر ممنوع شئی استعمال نہ کرے گا تو مر جائے گا یا مرنے کے قریب پہونچ جائے گا۔ یہ درجہ شرعی شرائط کے تحت حرام کو حلال بنا دیتا ہے۔ ''حاجۃ'' نام ہے۔ ایسی صورت کا جیسا کہ مثلاً بعض مرتبہ اس بھوک کی حالت میں ہو جاتی ہے۔ جس میں مرنے کا خطرہ تو نہ ہو لیکن اگر ممنوع شئی استعمال نہ کرے تو شدید مشقت اور مصیبت میں مبتلا ہو جائے۔ یہ درجہ حرام کو حلال نہیں کرتا البتہ اس میں روزہ نہ رکھنا جائز ہو جاتا ہے۔

(۶) شدید مشقت رخصت کا سبب بن جاتی ہے:

اس کے علاوہ علامہ زین الدین ابن نجیم مصری نے اپنی معرکۃ الاراء تصنیف ''الا شباہ والنظائر'' صفحہ ۱۱۹ میں . القاعدة الرابعة . ''المشقه تجلب التيسير'' کے تحت مشقت کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ '' عظمیه . متوسط وخفيفه''. ''عظيمه کی مثال خوف على النفوس والا طراف ومنا فع الا عضاء''. ''یعنی جس میں جان کے یا کسی عضو کے بالکل تلف ہو جانے یا اس کی منفعت تلف ہونے کا خطرہ ہو'' اور علامہ حموی نے اس سے زیادہ وضاحت کی ہے۔ وہ ارقام فرماتے ہیں۔ للضرورة بلوغه حدا ان لم يتناول الممنوع هلك او قاربه (غمز العيون البصائر ج ۱ ص ۲۷۷)

اور اسی طرح علامہ مصطفٰے الزرقاء تحریر فرماتے ہیں۔ فالضرورة ما يترتب على عصيانها خطر كما فى الا كراه الملجىء وخشية الهلاك جوعا ۔ (المدخل الفقهى العام ۱/۹۹) ان تمام حوالوں کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ضرورت اسی کو کہتے ہیں۔ جس کو نظر انداز کر کے جان یا کسی عضوء کے تلف ہونے کا خطرہ ہو۔ اور متوسط کی مثال، مرض بڑھ جانا اور صحت میں دیر لگنا بتائی ہے، پھر متوسط'' کا حکم یہ بیان کیا گیا ہے. فيجوز له الفطر (فى رمضان)

وهكذ افى المرض المبيح للتيمم. (روزہ قضاء کرنے اور تیمّم کی اجازت ہوگی) اس سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔ کہ روزہ کو قضا کردینے یا تیمّم کے لئے اضطرار (یعنی ضرورہ) کا تحقق لازم نہیں ہے۔ بلکہ اس سے کم درجہ (مشقت متوسط، یا حاجہ) بھی کافی ہے۔ اس کے برخلاف حرام اشیاء کا ستعمال بس اس وقت جائز ہوگا جب ''ضرورہ'' کا تحقق ہو۔ یعنی جان یا عضو جانے کا خطرہ ہو۔ اس بات کی فی الجملہ تائید نیچے "الا شباہ" میں مذکور اس اصولی جزئیہ (مسئلہ) سے بھی ہوتی ہے۔

'' جاز ترک الواجب دفعاً للمشقة (اى المتو سطة) ولم يسا مح فى الا قدام على المنهيات خصوصا الكبا ئر'' . (الا شباه ١٢٨)

''مشقت'' دور کرنے کے لئے واجب کا ترک جائز ہوگا۔ لیکن کسی حرام کے ارتکاب کی اجازت نہ ہوگی۔

اس موقعہ ''بدائع الصنائع'' سے ایک قتباس پیش کردینا بھی شاید بے محل نہ ہو کیونکہ اس سے ''ضرورۃ'' نیز اشیاء محرمہ کی اباحت کا صحیح محل سمجھنے میں مدد ملے گی ''اکراہ'' کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

"نوع يوجب الالجاء والا ضطرار طبعاً كا لقتل والقطع والضرب الذى يخاف منه تلف النفس اوا لعضو."

ایک قسم وہ ہے جس میں جان سے مار ڈالنے، یا ہاتھ پیر توڑ ڈالنے، یا شدید ضرب، کہ جس سے کسی عضو یا جان کے تلف ہونے کا خطرہ ہو (یہ اکراہ تام ہے) اسی قسم کو 'اکراہ تام' بتایا گیا ہے۔ دوسری قسم (جسے اکراہ ناقص کہا گیا ہے۔) کی یہ صورت بیان کی گئی ہے:۔

"نوع لا يوجب الا لجاء والا ضطرار وهو الجس والقيد والضرب لا يخاف منه التلف .(بدائع الصنا ئع". ١٧٥/٧)

دوسری قسم جس سے جان یا عضو کا خطرہ تو نہ ہو لیکن قید اور غیر مہلک مار کا خطرہ ہو۔ اس کے بعد دونوں کا حکم یہ ذکر کیا گیا ہے۔

"اما النوع الذى هو مبا ح فا ٔكل الميتة والدم ولحم الخنزير وشرب الخمر اِذا كا ن الا كراه تا ماً بأ ن كان بوعيد تلف لا ن هذه الأشيا ء مما تبا ح عند الا ضطرار وقد تحقق الا ضطرار با لأ كراه فيباح له التنا ول وان كان الاكراه' نا قصا لا يحل الا قدام عليه ." (بدائع الصنائع ٧/ ٧٦).

مطلب وہی ہے کہ پہلی صورت میں تو مردار اور خنزیر کھانے کی اجازت ہوگی دوسری میں نہ ہوگی۔

اس تفصیل سے یہ بات سامنے آئی کہ ''حرج'' اور ''مشقہ'' کا مفہوم زیادہ وسیع ہے۔ اس کے برخلاف ''ضرورۃ'' بہت ہی محدود اور مخصوص شکل کے حرج (یا مشقت) کا نام ہے۔ (یعنی ان دونوں میں ''عموم خصوص مطلق'' کی نسبت ہے۔ نہ کہ ''تساوی'' کی) ان سب کی روشنی میں بھی ''اضطرار'' کی فقہی تعریف قریب قریب وہی ثابت ہوئی، جو اوپر (علامہ حموی وغیرہ کے حوالے سے) بیان کی گئی یعنی ایسی صورت حال جس میں انسانی جان کے ختم ہوجانے کا یقینی خطرہ ہو یا کسی عضو کے تلف ہوجانے کا یقین ہو۔ اس کا یہ بھی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ محض مرض بڑھ جانے کا خوف یا اس جیسا کوئی اور معمولی عذر حرام اشیاء کے استعمال کے لئے وجہ جواز نہ بن سکے گا۔

(۷) انسانی خون کی خرید وفروخت:

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ جن حالتوں میں انسانی خون کے استعمال کی اجازت ہے۔ کیا ان میں اس کے خون کی خرید وفروخت بھی جائز ہے؟ اس کا جواب ذیل میں دیا جارہا ہے: یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ کسی چیز کا استعمال جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا خرید وفروخت کرنا بھی جائز ہو، جیسا کہ اس جزئیہ (مسئلہ) سے معلوم ہوتا ہے۔ لا یجوز بیع شعر الخنزیر لا نه نجس العین فلا یجوز بیعه اها نة له ویجوز الا نتفا ع للخرز. اسی وجہ سے علامہ ابن عابدین کی درمختار میں بیان کردہ قاعدہ۔"ان جواز البیع یدور مع حل الا نتفاع". پرحسب ذیل کلام کرنا پڑا۔یرد علیه شعر الخنزیر فانه یحل الا نتفا ع به ولا یجوز بیع.....وقد یجاب با ن حل الا نتفا ع به للضرور ہ والکلام عند عد مها.(هدایه اخرین ج ۳ ص ۲۶)

خنزیر کے بال کا بیچنا جائز نہیں۔اگر چہ اس کے بال جوتے کے سینے میں بضرورۃ استعمال ہو سکتے ہیں۔(اور علامہ شامی جن کی ایک بارت سے جواز انتفاع اور بیع کے جواز میں تلازم کا گمان ہوتا ہے) نے بھی یہ جزئیہ ذکر کیا ہے۔اس کے علاوہ بھی متعدد جزئیات اس بارے میں ملتے ہیں، مثلاً.عن الا ما م ان الا نتفا ع با لعذرۃ الخا لصة جائز ....مع أنه لا یجوز بیعها.(شامی ۱۱۳/۴) (فتح القدیر،۲۰۲/۵) فتاوی تاتارخانیہ میں ہے۔ انما خص للخر ازین الا نتفا ع بشعره الخنزیر ، ضرورہ ....ولا یجوز بیعه فی الروایات کلها .(۳۰۳/۱، مطبوعه دائرۃ المعارف العثما نیه حیدر آباد ،طبعه اولی)

گو، گوبر کا بیچنا جائز نہیں ہے۔اگر چہ اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔(کھاد وغیرہ کے طور پر) اس سے بھی مفہوم ہوا کہ ''ضرورت'' کے طور پر جن چیزوں کے استعمال کی گنجائش شریعت میں دی گئی ہے۔ان کی بیع کا جواز لازمی نہیں ہے۔ہاں اگر وہ چیز ''ضرورت'' کے وقت بغیر قیمت دیئے نہ ملتی ہوتو اضطرار کی حالت میں مضطر کے لئے اس کی قیمت دینا تو جائز ہوگا۔مگر لینے والے کے لئے وہ قیمت حلال نہ ہوگی، جیسا کہ خنزیر کے بال کے سلسلہ میں فقیہ ابواللیث نے فرمایا ہے:۔فلو لم یوجد الا با لشر اء جاز شرہ۔(فتح القدیر ۲۰۲/۲) اگر بغیر قیمت نہ ملے تو خریدنا بھی جائز ہے۔

ردمختار میں اس پر ایک بہت مفید اور اہم اضافہ ملتا ہے۔لو لم یوجد بلا ثمن جاز الشراء للضرورۃ وکرہ البیع فلا یطیب ثمنه .(در مختار مع ردالمحتار ۱۱۳/۴ ۔اگر بلا قیمت نہ مل سکے تو ضرورۃً خریدنا اور قیمت دینا جائز ہے۔لیکن یہ بیع مکروہ (تحریمی) ہے۔اس لئے کہ اس کی قیمت غیر طیب ہے۔یعنی اس کی قیمت کا استعمال فروخت کرنے والے کے لئے ناجائز ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی اس مسئلہ کی نظریں فقہاء کے کلام میں ملتی ہیں، مثلاً امام شافعی کی شہرہ آفاق کتاب ''الام'' میں ہے۔

ولو تزود . المضطر معه میتة فلقی مضطرا آخر اراد شراء ها منه لم یحل له ثمنها ، انما حل له منها منع الضرر البین علی بد نه لا ثمنها''(الام ، ۲۵۲/۲)

''اس پر قیاس کرتے ہوئے صورت مسؤلہ کا بھی حکم یہی معلوم ہوتا ہے۔کہ''اضطرار کی حالت میں انسانی خون اور اس جیسی دیگر اشیاء محرمہ

کا استعمال تو جائز ہے، مگر خرید و فروخت جائز نہیں، البتہ بوقت ضرورت یہ اشیاء اگر بلا قیمت نہ مل سکیں تو ضرورت مند کے لئے قیمت دے کر بھی ان کا استعمال جائز ہوگا، مگر قیمت لینا درست نہ ہوگا"

اس حکم سے ان بے اعتدالیوں کا بھی ایک حد تک انسداد ہو سکے گا جو خون انسانی کے کاروبار کی شکل میں ہر جگہ پھیلتی جارہی ہیں۔ کہ چند پیسوں کی خاطر۔ غریب اور مفلس لوگ۔ اپنا خون فروخت کرتے وقت بسا اوقات جان تک کو خطرہ میں ڈال دیتے ہیں، کیونکہ خون کی معتد بہ مقدار کے جسم سے نکل جانے کی وجہ سے بعض افراد سنگین امراض (مثلاً ٹی۔بی) میں مبتلا ہو کر بسا اوقات زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اور اوپر یہ بات گزر ہی چکی ہے۔ کہ کسی انسان کا خون لے کر دوسرے کے لئے استعمال کرنا اسی وقت جائز ہوگا جب کہ خون دینے والے کی صحت خطرہ میں پڑ جانے کا گمان نہ ہو ورنہ جائز نہ ہوگا۔ (لأن الضرر لا یُزال بالضرر) یہاں اس مسئلہ کا ذکر کرنا شاید بے محل نہ ہو کہ اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک نے دوسرے کو اپنا خون دیا ہے۔ تو اس نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(مولانا مفتی محمد شفیع رحمه الله کی یهی رائے هے، دیکھئے "جواهر الفقه" جلد پنجم، صفحه ۱۸۲ (مطبوعه دیوبند)

(۸) انسانی خون کے اسٹاک کے لئے بینک بنانا:

مجبوری اور اضطرار کی حالت میں جب خون کے استعمال کی گنجائش ہوگی تو چونکہ ایسی مجبوریاں اچانک بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خون کی بہت زیادہ مقدار کی متقاضی ہو جاتی ہے۔

جیسے ریل ایکسیڈنٹ کے موقع میں یا جنگ و محاربہ کے اندر بسا اوقات بیک وقت بہت سے افراد زخمی ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی جان بچانے کے لئے ان سب کو خون کا انجکشن دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس میں بھی مریض کے خون کا نمبر اور جو خون چڑھایا جاتا ہے۔ اس خون کا نمبر بالکل یکساں ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ بجائے نفع کے نقصان کا اندیشہ ہو جاتا ہے۔

اس لئے ان اچانک پیش آمدہ ضروریات کے لئے ہر نمبر کے خون کا فراہم رکھنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اور مقدار کی تعین و تحدید معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کافی مقدار میں محفوظ رکھنا ضروری ہوگا اور اس کا ایک خزانہ بنانا بھی لازم ہوگا۔

جس کو آج کل اصطلاح میں بینک کا نام دیا جا سکتا ہے۔

لأن الشیئی اذا ثبت ثبت بجمیع لوازمه لہٰذا اس فراہمی کے اور محفوظ رکھنے کے جو مناسب طریقے ہونگے اور ان میں جو اخراجات درکار ہوں گے، ان سب کو بھی حدود شرع میں رہتے ہوئے برداشت کرنا ہوگا۔

(بحواله نظام الفتاوی ۳۵۶ تا ۳۵۷ مکتبه رحمانیه لاهور تصنیف حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی)

اور افادہ کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق پیش کی جاتی ہے۔ جو در حقیقت انہوں نے چند سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔

اور یہاں پر یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ درجہ ذیل عبارت تمام کی تمام مفتی صاحب رحمہ اللہ کی ہے۔ البتہ بعض مقامات پر عنوان بندہ کی طرف سے تجویز کردہ ہے۔ باقی تمام مضمون آلات جدیدہ کے شرعی احکام نامی کتاب سے نقل کی گئی جس کا عنوان یہ ہے۔

(۹) مریض کے بدن میں انسانی خون کا استعمال اور اس سے متعلقہ مسائل:

آج کل بہت کمزور مریضوں کے علاج کا ایک نیا طریقہ یہ نکلا ہے۔ کہ کسی انسان کے بدن کا خون بذریعہ انجکشن نکال کر محفوظ کرلیا جاتا ہے۔ پھر یہ خون بذریعہ انجکشن مریض کے بدن میں چڑھایا جاتا ہے۔ جس سے جاں بلب مریض کو فوری قوت پہنچ جاتی ہے اس کے متعلق مختلف قسم کے سوالات بکثرت آتے رہتے ہیں، مناسب معلوم ہوا کہ ان میں سے اہم سوالات کے جوابات یہاں لکھ دیئے جائیں۔

سوال:۔ (۱) کیا کسی انسان کا خون بضرورتِ مرض دوسرے انسان کے بدن میں پہنچانا جائز ہے،

الجواب:۔ اصل حکم تو یہ ہے۔ کہ خون نجاستِ غلیظہ ہے۔ اور نجاست کا استعمال خارج بدن میں بھی حرام ہے، داخلِ بدن میں بدرجہ اَولیٰ حرام ہے، کما صرّح بہ فی الدر المختار ورد المحتار من فصل الانجاس، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ کرامؓ نے ناپاک چربی کشتیوں اور چمڑوں وغیرہ میں استعمال کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا حرام ہے، (صحیح بخاری)

اس کے علاوہ انسانی خون انسان کا جزء ہے۔ اور اجزاءِ انسانی کا استعمال کرنا مطلقاً حرام ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔

"الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز قیل للنجاسة وقیل للکرامة وھو الصحیح کذا فی جواھر الاخلاطی".

یعنی آدمی کے کسی جز کا استعمال جائز نہیں اور اس کی وجہ اور علت میں دو قول ہیں، بعض نے فرمایا کہ ناپاک ہونے کی وجہ سے اور بعض نے فرمایا کہ انسان کی شرافت اور تکریم کی وجہ سے، پہلی وجہ کی بناء پر تو انسانی اجزاء میں سے صرف وہی چیز حرام ہوگی جو نجس ہو، جیسے خون یا جیسے بدن کا کٹا ہوا ٹکڑا یا کھال وغیرہ، اور دوسری وجہ کا اثر یہ ہوگا کہ جو چیزیں نجس نہیں مثلاً ناخن، بال وغیرہ اُن کا استعمال بھی جائز نہیں ہوگا، اور عالمگیری میں یہ دونوں وجہ ذکر کر کے دوسری ہی وجہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور عام فقہاء نے اسی کو اختیار کیا ہے، اسی لئے انسان کے بدن کا کوئی حصہ، اس کے بارہ میں تو عالمگیری نے فتاویٰ قاضی خاں سے یہ نقل کیا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص بھوک سے مر رہا ہو اور کوئی مُردار چیز بھی نہیں ملتی جس کو کھا کر جان بچالے ایسی حالت میں اگر اس کو کوئی شخص یہ کہے کہ تو میرا ہاتھ یا بدن کا کوئی اور ٹکڑا کاٹ کر کھالے میں تجھے اجازت دیتا ہوں، تو نہ اس شخص کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔ اور نہ اس شخص کے لئے یہ جائز ہے۔ کہ اپنے بدن کا گوشت دوسرے کو کھلادے، عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

مضطر لم یجد میتة وخاف الھلاک فقال له رجل اقطع یدی وکُلھا او قال اوقطع منّی قطعة وکلھا لا یسعه ان یفعل ذلک ولا یصح امره به (عالمگیری باب ۱۱ ص ۳۷۴، ج ۵، طبع مصر)

یہ جزئیہ فقہیہ بالکل مسئلہ زیرِ بحث کی نظیر ہے، کہ ایک انسان کی جان بچانے کے لئے کوئی انسان اپنے بدن کا خون اپنی مرضی سے دینا

چاہتا ہے۔ مگر اس کو مذکورہ تصریح کی انسانی جزء ہونے کی وجہ سے یہ جائز نہیں، یہ حکم تو اصل مسئلہ کا ہے، لیکن علاج ودوا کے لئے بعض فقہاء نے خاص اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت دی ہے، درمختار، شامی وغیرہ میں اسی پر فتوی دیا گیا ہے، شرط یہ ہے کہ کسی مسلمان ڈاکٹر یا طبیب کی تجویز سے یہ معلوم ہو کہ اس حرام چیز کے سوا کوئی دوسرا علاج ممکن نہیں، اور اس کے استعمال سے بغالب ظن تندرستی کی امید ہے۔ (**شامی آخر با ب المیاہ قبل فصل البیر**)

اس فتوے پر بھی عالمگیری کی مذکورہ تصریح سے یہ شبہ ہوتا ہے۔ کہ انسانی خون کو دوسری حرام چیزوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لیکن عالمگیری کی مذکورہ تصریح میں ایک ایسے عضو انسانی کا ذکر ہے۔ جس کے قطع کرنے سے اُس انسان کو نہایت سخت تکلیف پہنچے گی، جس سے بعض اوقات اس کی جان کا بھی خطرہ ہوسکتا ہے، اور خون لینے کا جو طریقہ رائج ہے، اس سے انسان کو کوئی ایسی تکلیف لاحق نہیں ہوتی، معمولی کمزوری ہوتی ہے۔ جو چند روز کے علاج سے دفع ہوجاتی ہے، اس فرق کی بناء پر کہا جاسکتا ہے۔ کہ بطور علاج ودوا ایسے حالات میں جبکہ کسی مسلمان ڈاکٹر یا طبیب کے کہنے کے مطابق اور کوئی دوا کارگر نہ ہو اور خون دینے سے جان بچنے کی قوی امید ہو تو صرف ایسے حالات میں خون دے کر علاج کیا جاسکتا ہے، **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم،**

(۱۰) مرد عورت کا خون ایک دوسرے میں منتقل کرنے سے نکاح کا حکم:

سوال: (۲) اگر بیوی کا خون شوہر کے جسم میں یا شوہر کا بیوی کے جسم میں داخل کیا جائے تو اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: اس کا صریح حکم ظاہر ہے۔ فقہاء کے کلام میں نہیں مل سکتا کیونکہ یہ طریقۂ علاج ان کے زمانہ میں رائج نہیں تھا، لیکن ایک نظیر سے اس کا حکم سمجھا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ بچہ کو کسی عورت کا دودھ پلانے سے یہ بچہ مثل اپنے بچہ کے اس عورت کے لئے ہوتا ہے، اور یہ رضاعی ماں بیٹے کہلاتے ہیں، جس کی وجہ یہی ہے۔ کہ دودھ جب اُس کے بدن میں جزبنا تو یہ اُس بچہ کی ماں ہوگئی، لیکن باتفاق فقہاء یہ حرمت رضاعت صرف اُس زمانہ کے ساتھ محدود ہے، جبکہ بچہ کوئی دوسری غذا کھانے کے قابل نہ ہو، یعنی زیادہ سے زیادہ ڈھائی سال کی عمر تک، اس کے بعد اگر کوئی عورت اس کو اپنا دودھ پلادے تو اُس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اب اس کی غذا اور نشوونما کا مدار اس دودھ پر نہیں رہا، اسی طرح جب میاں بیوی میں سے ایک کا خون دوسرے کے بدن میں ایسے وقت پہنچایا گیا ہے۔ جبکہ اس کے بدن کا نشوونما اس خون پر موقوف نہیں بلکہ وقتی طور پر سہارا دینے کے لئے دیا گیا ہے۔ تو اس خون کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے لئے جزئیت کا رشتہ قائم نہیں ہوگا، اس لئے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، خون کے ذریعہ علاج کرنا مذکور الصدر وجوہ کی بناء پر اگر جائز بھی کہا جائے تب بھی اس میں اور بہت سے مفاسد ہیں،

(اب ایک مفسدہ اس میں یہ بھی پیش آنے لگا ہیں۔ کہ بے رحم کمپونڈر اور نرسیں ناواقف اور سیدھے سادے مریضوں کو یہ کہہ کر کہ انجکشن لگاتا ہے۔ تو ان کا خون نکال لیتے ہیں۔ پھر اس کو فروخت کردیتے ہیں)۔ (محمد رفیع، عثمانی دارالعلوم کراچی)

کیونکہ انسانی اجزاء دوسرے بدن میں منتقل ہوکر اس کے اخلاق وعادات کا اثر ساتھ لائیں گے، کسی کافر یا فاسد الاخلاق کا خون دیا گیا تو اس کے آثار منتقل ہونا ظاہر ہے، اس لئے بہتر یہ ہے۔ کہ اس سے احتیاط ہی کی جائے، اور اگر دینا ہی ناگزیر ہو تو اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ اس خون کے ذریعہ بُرے اخلاق اس طرف منتقل ہونے کی صورت نہ پیدا ہو، واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ،

(۱۱) انتقال خون سے وضوء ٹوٹنے کا حکم:

رگ میں جو انجکشن لگتا ہے۔ جس میں پہلے انجکشن کے ذریعہ تھوڑا سا خون بدن سے نکالتے ہیں۔ اس کے بعد دوا چڑھاتے ہیں۔ اس میں وضوء ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے میں یہ تفصیل ہے۔ کہ اگر انجکشن سے اتنا خون نکالا کہ اگر وہ جسم سے خود نکلتا تو بہہ پڑتا تو وضوء ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر انجکشن میں اتنا کم خون نکالا کہ اگر اتنا خون بدن سے خود نکلتا تو ہرگز نہ بہتا تو وضوء نہیں ٹوٹے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے دوسرے کو اتنا خون دیا کہ اگر وہ بدن سے خود نکلتا تو ہرگز نہ بہتا تو وضوء نہ ٹوٹے گا۔ اور اگر اتنا خون دیا کہ اگر وہ بدن سے خود نکلتا تو بہہ پڑتا تو وضوء ٹوٹ جائے گا۔ بہرحال بہرصورت احتیاط یعنی وضوء کرنا چاہئے۔ ورنہ ضرورت کے وقت مذکورہ بالا قاعدہ کو استعمال کر سکتے ہیں۔

(۱۲) مراجع ومصادر

۱. قرآن مجید
۲. احکام القران. للعلامة لابی بکر الجصاصؒ
۳. احکام القران للعلامة ظفر احمد تهانویؒ
۴. صحیح البخاری
۵. معارف القران
۶. صحیح البخاری
۷. صحیح المسلم
۸. جامع الترمذی
۹. کتاب الام. للشافعیؒ
۱۰. الطریق الحکمیه للحافظ ابن قیمؒ
۱۱. المحلی. للعلامه ابن حزم ظاهری الاندلسی
۱۲. الدرالمختار. للعلامة ابن عابدینؒ
۱۳. بدائع الصنائع
۱۴. الطحطاوی علی الدر المختار
۱۵. فتاوی عالمگیری
۱۶. الاشباه والنظائر
۱۷. حاشیة حموی علی الاشباه
۱۸. جواهر الفقه
۱۹. نظام الفتاوی
۲۰. الات جدیده کے شرعی احکام
۲۱. موجوده زمانه کے مسائل کا شرعی حل مولانا مفتی برهان الدین سنبهلی
۲۲. غمزعیون البصائر
۲۳. المدخل الفقهی العام. للعلامة مصطفیٰ الزرقاء.
۲۴. الانتفاع بأجزاء الادمی. للشیخ عصمت الله.